جناب احمد حسن صاحب

# خبرِ واحد کی شرعی حیثیت

جناب احمد حسن صاحب کے محققانہ مضمون بعنوان خبر واحد کی شرعی حیثیت "ترجمان الحدیث" ماہ نومبر کے شمارہ میں ایک قسط ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ دوسری قسط حالیہ شمارے میں شریک اشاعت ہے۔ ان کے تمام مندرجات سے ادارہ کا اتفاق ضروری نہیں۔ بلکہ مضمون میں بعض افکار سے ادارہ اپنی اختلافِ رائے کا حق محفوظ رکھتا ہے۔ مضمون کے آخری حصے میں فاضل مضمون نگار نے فقہائے حنفیہ کے نقطۂ نگاہ کو ترجیح دی ہے۔ ہم اہلِ علم سے اس موضوع پر اپنا نقطۂ نگاہ مدلل طور پر لکھنے کی درخواست کریں گے۔ "ترجمان الحدیث" کے صفحات حاضر ہیں۔ (ادارہ)

خبر واحد کی حجیت کے انکار کے سلسلہ میں یہ آیات پہلے بھی گزر چکی ہیں۔ اور منکرین کا ان سے استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس بات کو دوسروں تک پہنچانے سے منع کیا ہے جس کا ہمیں یقینی علم نہ ہو۔ نیز ظن پر عمل کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔ ظن پر عمل کے بارے میں اس سے پہلے بھی مخالفین کے شبہات کا جواب دیا جا چکا ہے۔ مزید یہ کہ خبر واحد پر عمل محض ظن پر عمل نہیں ہے، بلکہ اس پر عمل اجماع سے ثابت ہے دوم یہ کہ جن آیتوں میں ظن پر عمل کو حرام قرار دیا گیا ہے ان کا اطلاق اصول دین پر ہوتا ہے۔ عام معاملات اور اعمال میں شریعت نے ظن کا اعتبار کیا ہے۔ اور یہ قطعی دلائل سے ثابت ہے۔ سوم یہ کہ اس سے رائے پر عمل باطل ہو جاتا ہے، حالانکہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ رائے پر عمل کرنا درست ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو رائے اور ظن پر عمل سے اس لیے منع کیا گیا کہ آپ پر وحی آتی تھی۔ لیکن آپ کے بعد عام مسلمانوں کو ظن اور رائے پر عمل کرنے کی ممانعت سے سارے لوگ تنگی و مشقت میں پڑ جائیں گے۔

اس فریق کی ایک دلیل یہ ہے کہ علم وعمل لازم وملزوم ہیں۔ علم کے بغیر عمل نہیں ہو سکتا۔ جمہور کا نظریہ یہ ہے کہ خبر واحد موجب عمل ہے، لیکن موجب علم یقینی نہیں۔ لیکن جب عمل کے لیے علم لازم ہے اور جمہور خود علم کی نفی کرتے ہیں۔ تو عمل کی نفی خود بخود ہو جاتی ہے۔ اس لیے خبر واحد نہ موجب علم ہے اور نہ موجب عمل۔ جمہور اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ بات قابلِ تسلیم نہیں ہے کہ علم یقینی

کے بغیر عمل ہو ہی نہیں سکتا۔ اوپر قرآن مجید، احادیث اور صحابہؓ کے آثار سے یہ بات ثابت کی جا چکی ہے کہ اخبار احاد موجب عمل ہیں، اگرچہ ظنی ہیں۔ اس لیے یہ کہنا درست نہیں کہ عمل کے لیے علم یقینی ہی ضروری ہے اور ظن کافی نہیں۔

چہارم: بعض اہل حدیث اور احمد بن حنبلؒ کا نظریہ ہے کہ خبر واحد موجب علم و عمل دونوں ہے۔ موجب عمل ہونے کے دلائل تو جمہور نے کتاب و سنت سے خود دیئے ہیں۔ موجب علم یقینی ہونے کی ایک عقلی دلیل یہ ہے کہ علم و عمل دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ جب خبر واحد موجب عمل ہے تو بموجب علم یقینی بھی ہونی چاہیے اس لیے یہ موجب علم ضروری ہے۔ اس کے لیے کسی استدلال کی ضرورت نہیں۔

اس کی مزید دو دلیلیں یہ ہیں۔ آخرت سے متعلق ہمارے عقائد اخبار آحاد پر مبنی ہیں۔ مثلاً عذاب قبر، حشر کی تفصیلات، پل صراط پر سے گزرنا، حساب کتاب اور جنت دوزخ وغیرہ کی تفصیلات احادیث سے معلوم ہوتی ہیں۔ ان پر اجماع ہے۔ ان کا تعلق فروع سے ہے۔ یہ مفید اعتقاد ہیں۔ نہ کہ مفید عمل۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ خبر واحد میں صدق و کذب دونوں کا احتمال ہوتا ہے۔ لیکن خبر واحد میں عدالت شرط ہے، اس لیے صداقت کے پہلو کو ترجیح دی جاتی ہے اور کذب کا احتمال باقی نہیں رہتا۔ اس لیے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ خبر موجب علم یقینی ہے۔ جمہور اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ احکام آخرت سے متعلق بعض احادیث تو مشہور ہیں جو موجب علم طمانیت ہیں۔ اور بعض احادیث آحاد ہیں۔ جو مفید ظن ہیں۔ بعض متواتر بھی ہیں۔ جو مفید یقین ہیں۔ دوم یہ کہ احکام سے آخرت سے مقصود عقد قلبی ہے، یعنی دل کا کسی چیز پر جم جانا ہے۔ یہ بھی ایک عمل ہے، جس کا تعلق ظاہری جوارح سے نہیں، دل سے ہے اس لیے خبر واحد اس عمل کے لیے کافی ہے۔ دوسری بات کا جواب یہ ہے کہ یہ بات تو اس حد تک درست ہے کہ خبر واحد میں مخبر کے عادل ہونے کے سبب صدق کے پہلو کو ترجیح حاصل ہے۔ لیکن یہ بات قابل تسلیم نہیں کہ اس میں کذب کا احتمال ہی سرے سے باقی نہیں رہتا۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ متواتر کی طرح موجب علم یقینی ہوتی، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

۲۳۔ پنجم:۔ داؤد ظاہری کا خیال ہے کہ اہل حدیث کا یہ نظریہ درست نہیں کہ خبر واحد موجب علم ضروری ہے۔ بلکہ خبر واحد موجب علم استدلالی ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اتباع ظن کو حرام قرار دیا ہے۔ اور علم یقینی کی اتباع پر اجماع ہے۔ اس لیے جب خبر واحد حجت ہے تو یہ موجب علم استدلالی ہوگئی، نہ کہ موجب علم ضروری یا ظنی۔ اس کا جواب بھی اوپر گزر چکا ہے۔

۲۴۔ قشننمر ۱۔ خبر واحد اور قرینہ کے بارے میں متعدد نظریات پائے جاتے ہیں۔ اوّل یہ کہ اگر خبر واحد کے ساتھ قرینہ بھی پایا جائے تو یہ موجب علم یقینی ہے۔ ابن حاجب کے نزدیک یہی مختار نقطہ نظر ہے۔ دوم یہ کہ قرینہ موجود ہونے کے باوجود خبر واحد موجب علم یقینی ہے لیکن لازم و ملزوم ہیں۔ یہ امام احمدؒ کا نقطہ نظر ہے۔

قرائن اور خبر واحد کے بارے میں قول فیصل یہ ہے کہ اگر قرائن خبر کے مضمون کا ثبوت فراہم کرتے ہوں اور وہ یقینی ہوں تو یہ قرائن موجب علم یقینی ہوں گے، اور خبر لغو ہوگی۔ اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ اگر قرائن قطعی نہیں ہیں۔ تو اس سے مضمون خبر کے ثبوت میں احتمال باقی رہے گا۔ اور خود خبر بھی مشکوک رہے گی۔ قرینہ سے یہ شک و شبہ زائل نہیں ہوگا۔ اس لیے اس قسم کی خبر مفید ظن ہوگی۔ ہاں اگر قرائن قطعی طور پر یہ بتلاتے ہوں تو خبر دینے والا سچا ہے۔ تو ان قرائن سے خبر کا سچا ہونا یقینی طور پر ثابت ہو جائے گا۔ اور اس خبر کا مضمون یا اس سے متعلق واقعہ بھی سچا ہوگا۔ لیکن اس قسم کے قرائن کو پہلے ثابت کرنا ضروری ہوگا۔ اس کے بغیر ہم اس خبر کو یقینی طور پر سچا نہیں کہہ سکتے۔ قرینہ اور خبر کے بارے میں ایک مشہور مثال اصولِ فقہ کی کتابوں میں ملتی ہے۔ کسی بادشاہ کے محل پر لوگ ماتم ہوتا دیکھتے ہیں، بادشاہ خود بھی غمگین اور میلے کپڑوں میں نظر آتا ہے۔ یہ سب اس بات کا قرینہ ہے کہ بادشاہ کے کسی قریبی عزیز کا انتقال ہو گیا ہے۔ لیکن خبر کے بغیر صرف قرینہ سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ کس عزیز کا انتقال ہوا ہے۔ بادشاہ کے درباریوں میں سے کوئی شخص یہ خبر دیتا ہے کہ بادشاہ کے بیٹے کا انتقال ہوگیا ہے اب خبر سے مرنے والے کی تعیین ہو جاتی ہے۔ تاہم خبر سچی بھی ہوسکتی ہے اور جھوٹی بھی کیونکہ ایک شخص کی خبر کو یقینی نہیں کہا جاسکتا۔ آخر میں اگر بادشاہ یہ کہہ دے کہ بیٹے کی موت کی خبر کے بارے میں حال مشتبہ ہو گیا تھا۔ اور اس کا انتقال نہیں ہوا تو اس یقینی خبر سے قرینہ اور سابق خبر دونوں زائل ہو سکتے ہیں۔

۲۵۔ امام شافعی کے نزدیک وہ خبر واحد مقبول ہے جس کا راوی عادل اور ثقہ ہو۔ اور جس کی سند متصل ہو۔ امام مالک کے نزدیک وہ خبر واحد مقبول ہے جو تعامل یا اجماع اہل مدینہ کے خلاف نہ ہو۔

امام احمد بن حنبلؒ کا مسلک بھی وہی ہے جو امام شافعیؒ کا ہے۔ احناف کے نزدیک خبر واحد کے مقبول ہونے کی آٹھ شرطیں ہیں۔ چار راوی سے متعلق اور چار روایت سے متعلق۔

راوی سے متعلق چار شرطیں یہ ہیں۔ کہ راوی مسلمان ہو، عادل ہو، عاقل و بالغ ہو، حافظ پختہ ہو۔ ان شرطوں کی تفصیلات ہم آئندہ مقالہ میں بیان کریں گے۔ روایت سے متعلق چار شرطیں یہ ہیں۔ اوّل یہ کہ خبر واحد نص قرآنی یا قرآن مجید کے کسی عمومی و ظاہری حکم کے مخالف نہ ہو، دوم یہ کہ کسی مشہور حدیث کے مخالف نہ ہو، سوم یہ کہ کسی ایسے واقعہ کے مخالف نہ ہو جو لوگوں کی کثیر تعداد کے سامنے پیش آیا ہو۔ چہارم یہ کہ وہ حدیث متروک نہ ہو۔ اور صحابہ کرام نے اختلاف کے وقت استدلال نہ کیا ہو۔ مثلاً بسرہ بنت صفوان سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنا عضو تناسل چھو لے اس کو چاہیے کہ وہ وضو کرے۔ امام ترمذیؒ نے اس کو روایت کیا ہے۔ یہ خبر واحد ہے اور طہارت کے بارے میں قرآن مجید کی نص کے مخالف وہ نص یہ ہے۔ فیہ رجال یحبّون ان یتطہروا (توبہ - ۱۰۸)

اس مسجد میں ایسے لوگ ہیں جو خوب پاک صاف رہنا پسند کرتے ہیں۔

یہ آیت اہل قباء کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو پانی سے استنجا کرتے تھے۔ اور یہ ممکن نہیں ہے کہ طہارت کرتے ہوئے وہ عضو تناسل نہ چھوتے ہوں اگر اس سے وضو ٹوٹ جاتا تو پانی سے استنجا کرنے کی تعریف نہ کی جاتی، اور نہ اس سے طہارت جائز ہوتی۔

اس طرح ایک دوسری حدیث ہے جس کو امام ترمذیؒ نے بیان کیا ہے کہ عبادہ بن الصامت سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص نماز میں سورہ فاتحہ نہیں پڑھے گا۔ اس کی نماز نہیں ہوگی۔ احناف کے نزدیک یہ حدیث نماز میں قرأت کے بارے میں قرآن مجید کے اس عمومی حکم کے خلاف ہے فاقرؤا ما تیسر من القرآن (مزمل - ۲۰) اب تم قرآن میں سے جو آسانی کے ساتھ پڑھ سکو پڑھ لیا کرو۔ اس حدیث کے مقابلہ میں قرآن کا عمومی حکم قرأت کے بارے میں ترک نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے احناف کے نزدیک قرآن مجید کی اس آیت کے مطابق نماز میں قرآن کا پڑھنا فرض ہے۔ چونکہ اس آیت میں کسی خاص سورۃ کے پڑھنے کی تعیین نہیں ہے۔ اسلئے سورۃ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے، فرض نہیں۔ شافعی فقہاء کا ان دونوں احادیث پر عمل ہے۔ لیکن حنفی فقہاء ان کی تاویل کرتے ہیں۔ اس کی مزید تفصیل آگے آئے گی۔

دوسری شرط کی تفصیل یہ ہے کہ خبر واحد کے لیے یہ لازمی شرط ہے کہ وہ خبر متواتر یا خبر مشہور کے خلاف نہ ہو۔ کیونکہ خبر مشہور اور متواتر خبر واحد سے قوی ہوتی ہے۔ مثلاً عمرو بن شعیب نے اپنی سند سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث روایت کی کہ بار ثبوت مدعی پر ہے۔ اور جو شخص انکار

کرے اس پر قسم لازم ہے۔ اس کو امام ترمذیؒ نے روایت کیا ہے۔ یہ خبر مشہور ہے۔ اس کے مقابلہ میں ایک خبر واحد ہے جس کو حضرت عبداللہ بن عباس نے روایت کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گواہ اور ایک قسم سے فیصلہ فرمایا۔ یعنی مدعی کے پاس اگر ایک گواہ ہو تو وہ دوسرے گواہ کی جگہ وہ خود قسم کھائے۔ اس طرح یہ قسم دوسرے گواہ کے قائمقام ہو گی۔ لیکن یہ حدیث دوسری مشہور حدیث کے مخالف ہے اس لیے اس پر عمل نہیں ہوگا۔

تیسری شرط کی تفصیل یہ ہے کہ خبر واحد کسی ایسے واقعہ کے بارے میں ہو جو بے شمار لوگوں کے سامنے پیش آیا ہو۔ لیکن اس کو نقل کرنے والے صرف ایک یا دو شخص ہوں۔ ایسی خبر کو بھی احناف قابل قبول نہیں سمجھتے۔ کیونکہ ایسی خبر مشہور یا متواتر ہونی چاہیے۔ اس لیے ایسی حدیث کو راوی کے سہو پر محمول کرتے ہیں یا منسوخ سمجھتے ہیں۔ امام ابو الحسن کرخی اور تمام متاخرین حنفی فقہاء کا یہی نقطۂ نظر ہے امام شافعیؒ کے نزدیک ایسی حدیث اگر صحیح سند سے ثابت ہے تو قابل قبول ہے اور اہل ظاہر کا بھی یہی مسلک ہے۔ اس کی مثال میں وہ حدیث پیش کی جاتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جہری نمازوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بسم اللہ زور سے پڑھتے تھے۔ اس حدیث کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔ اور امام ترمذیؒ نے اپنی جامع میں بیان کیا ہے۔ فقہاء احناف کا اس حدیث پر عمل نہیں ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اس کا تعلق نماز سے ہے جس میں ہزاروں لوگ موجود ہوتے تھے۔ اگر آپ بسم اللہ زور سے پڑھتے تو اس کو روایت کرنے والے ابوہریرہؓ کے علاوہ دوسرے صحابہؓ بھی ہوتے۔ لیکن اس کو صرف ابوہریرہؓ نے ہی روایت کیا ہے ان کے علاوہ دوسرے لوگ اس کو روایت نہیں کرتے۔ اس لیے احناف کا اس پر عمل نہیں۔ جس حدیث سے فجر کی نماز میں قنوت پڑھنا ثابت ہے اس پر بھی احناف کا اسی لیے عمل نہیں۔

چوتھی شرط کی تفصیل یہ ہے کہ عہد صحابہ میں جب مختلف مسائل میں اختلاف رونما ہوا تو انہوں نے اختلاف کی صورت میں بھی اس حدیث سے استدلال نہ کیا ہو۔ اس سے اعراض کیا ہو۔ اور اس کو ترک کر دیا ہو۔ ایسی خبر واحد بھی احناف کے نزدیک دلیل نہیں بن سکتی۔ یہ عام متاخرین احناف کا مسلک ہے۔ بعض متقدمین نے اس کو حجت سمجھا ہے۔ مثلاً نابالغ پر وجوب زکوٰۃ کے بارے میں صحابہ کے درمیان اختلاف ہوا۔ اور انہوں نے اس مسئلہ میں اپنی رائے اور اجتہاد سے کام لیا۔ حالانکہ اس موضوع سے متعلق ایک حدیث موجود ہے اس سے استدلال نہیں کیا۔ وہ حدیث یہ

ہے ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کسی ایسے یتیم کا ولی ہو جس کے پاس مال بھی ہو اس کو چاہیے کہ وہ اس مال کو تجارت میں لگا دے ، تاکہ صدقہ سے وہ مال ختم نہ ہو جائے دوسرے فقہاء اس حدیث میں لفظ صدقہ سے مراد زکوٰۃ لیتے ہیں۔ اس لیے ان کے نزدیک نابالغ کے مال میں زکوٰۃ فرض ہے۔ احناف صدقہ سے مراد نفقہ لیتے ہیں ۔ اس لیے ان کے نزدیک یہ حدیث یا تو سرے سے ثابت ہی نہیں ہے ۔ یا مؤول ہے ۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے عمرو بن شعیب کی سند سے روایت کیا ہے احناف کی دلیل یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ نے نابالغ پر وجوب زکوٰۃ کے سلسلہ میں اس حدیث سے استدلال نہیں کیا۔ اس لیے یہ قابل حجت نہیں ہے

۲۶۔ احناف نے اپنے ان چار شرائط کی بنیاد پر جن احادیث کو ترک کر دیا ہے دوسرے فقہاء کا ان پر عمل نے ۔ اپنے مسلک کی تائید میں انہوں نے تفصیل سے دلائل پیش کئے ہیں ۔ اس کی مزید تفصیل فقہ و حدیث کی مبسوط کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہے ۔

خبر واحد سے متعلق ایک اہم مسئلہ محل خبر واحد کا ہے ۔ یعنی خبر واحد کن مقامات میں قابل قبول ہے اور کن میں نہیں احناف نے اس کو چار قسموں میں تقسیم کیا ہے ۔ اوّل ایسے شرعی احکام جو فروع دین میں اور وہ حقوق اللہ سے تعلق رکھتے ہیں ، اور ان میں نسخ و تبدیلی کا احتمال ہے ، دوم وہ حقوق العباد جن میں الزام محض ہو ، یعنی دوسرے پر کوئی حق یا ذمہ داری عائد کی جاتی ہو۔ سوم ایسے معاملات جن میں لزوم یعنی کوئی حق یا ذمہ داری عائد نہ کی جاتی ہو۔ چہارم ایسے معاملات جن میں جزوی طور پر حق لازم کرنا ہو اور جزوی طور پر حق لازم نہ کرنا ہو ۔ ان کی تفصیل ہم ذیل میں بیان کرتے ہیں۔

خبر واحد ایسے شرعی احکام میں حجت ہے جن کا تعلق فروع دین سے ہو اور وہ خالص حق اللہ ہوں ان میں نسخ و تبدیلی کا امکان ہو اس کی دو قسمیں ہیں ۔ اوّل ایسے احکام جو شبہات سے ساقط نہیں ہوتے ، جیسے عبادات ۔ اس میں شہادت کی طرح نہ تعداد کی شرط ہے اور نہ شہادت کی صرف راوی میں وہ سب صفات موجود ہونی چاہئیں جو قبول روایت کے لیے شرط ہیں ۔ اس قسم میں راوی کے راجح طور پر صادق ہونے کا اعتبار کیا گیا ہے اور اس کے امکان کذب کی نفی کا اعتبار نہیں کیا گیا ۔ اس لیے اس کے گواہ کی طرح دو راویوں اور لفظ شہادت کی ضرورت نہیں رہتی ۔ صحابہ کرامؓ اس قسم کی خبر واحد قبول کر لیتے تھے ۔ مثلاً حضرت علی سے روایت ہے کہ وہ راوی سے احتیاطاً قسم لیتے تھے ۔ لفظ شہادت اور دو راویوں کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے ۔

ایسے احکام جو شبہات سے ساقط ہو جاتے ہیں ، ان کے بارے میں امام ابو یوسف نے

امالی میں کہا ہے کہ خبر واحد ان میں حجت ہے ۔ ابوبکر جصاص رازی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے ۔لیکن ابو الحسن کرخی کہتے ہیں کہ حجت نہیں ہے ۔ امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ یہاں خبر واحد اس لیے معتبر ہے کہ راوی کے صادق ہونے کو ترجیح دی گئی ہے ۔اس صورت میں ایسے احکام میں جو شبہات سے ساقط ہو جاتے ہیں یا ثابت ہوتے ہیں خبر واحد سے عمل واجب ہوگا ۔ اگر صرف احتمال ایسے احکام میں مانع عمل ہوتا تو ان میں ثبوت سے بھی عمل جائز نہ ہوتا ۔ امام کرخی کی دلیل یہ ہے کہ خبر واحد ظنی ہے ۔ اس کے ثبوت میں پہلے شبہ موجود ہے اس لیے جو احکام شبہ سے ساقط ہو جاتے ہوں ان کو ایسی چیز سے ثابت نہیں کہا جا سکتا جس میں شبہ موجود ہو۔

اس قسم سے متعلق ہم چند مثالیں پیش کرتے ہیں جہاں خبر واحد کو تسلیم کیا گیا ہے ۔ رمضان کا چاند دیکھنے کے لیے ایک شخص کی خبر معتبر ہے بشرطیکہ آسمان پر بادل یا گردوغبار چھایا ہوا ہے ۔ اس کا تعلق حقوق اللہ سے ہے ۔حقوق العباد سے نہیں ۔ اس طرح کسی پانی یا کھانے کے بارے میں یہ نہ معلوم ہو کہ وہ پاک ہے یا ناپاک ، اور کوئی شخص یہ بتلائے کہ یہ پاک ہے یا ناپاک ہے تو اس کی خبر کو تسلیم کیا جائے گا ۔کیونکہ اس کا تعلق بھی حقوق اللہ سے ہے ۔ الغرض نماز ، روزہ ، وضو عشر ، صدقہ فطر ان سب میں خبر واحد مقبول ہے ۔جمہور کا یہی مذہب ہے اسی طرح حدود میں بھی جمہور کے نزدیک خبر واحد حجت ہے ، ابوالحسن کرخی کے نزدیک حجت نہیں ۔فخر الاسلام بزدوی اور اصول الشاشی کے مصنف نے اس کو اختیار کیا ہے ۔

دوسری قسم میں وہ سارے حقوق العباد داخل ہیں جن میں ایک شخص کا دوسرے پر حق لازم کرنا ہو ۔ مثلاً بائع و مشتری میں سے ایک بیع کا انکار کرتا ہو اور دوسرا ثبوت کے درپے ہو ۔ اس قسم میں خبر واحد چند شرائط کے ساتھ معتبر ہے ۔ اول یہ کہ خبر دینے والے کی تعداد کم از کم دو ہو ، جیسا کہ گواہی کے لیے شرط ہے ۔ دوم یہ کہ خبر لفظ شہادت کے ساتھ دیں ۔ سوم یہ کہ وہ عادل ہوں ۔ چہارم یہ کہ انہیں اس خبر کی ولایت یعنی اختیار حاصل ہو ۔ یہاں یہ سب شرائط اس لیے لگائے گئے ہیں کہ اس قسم کا تعلق باہمی جھگڑوں اور تنازعات سے ہے ۔ اس لیے جھگڑا ختم کرنے کے لیے تاکید کی ضرورت ہے ۔اسی وجہ سے ، لعان میں لفظ شہادت اور قسم کو مقرر کیا گیا ہے کیونکہ فریب کاری اور حیلے مقدمات میں بہت پیش آتے ہیں ۔ اس لیے گواہوں کے متعدد ہونے اور ان کی اہلیت کی شرط لگائی ہے ۔

اس قسم سے متعلق کئی مثالیں دی جاسکتی ہیں ۔ مثلاً عید کا چاند دیکھنے کے لیے کم از کم دو عادل شخصوں کا ہونا ضروری ہے ۔ کیونکہ اس سے حق العباد ثابت ہوتا ہے ، ماہِ صیام کے اختتام سے روزے ختم ہو جاتے ہیں ۔ یہ ان کے لیے ایک منفعت ہے اور اس کا اختتام ان پر لازم ہے ۔ عید کے دن روزہ رکھنا حرام ہے ۔ اسی طرح اگر کوئی شخص رضاعت کے سبب حرمت کی خبر دیتا ہے اس کے لیے بھی یہ شرائط ضروری ہوں گے ۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ثبوت حلت ملک نکاح کے بغیر ممکن نہیں ، اس کا انتفاء موجب انتفاء ملک ہے اور ملک کا حقوق العباد سے تعلق ہے ۔ تزکیہ شہود کے مسئلہ میں امام ابو حنیفہؒ اور ابو یوسف کے نزدیک ایک شخص کی خبر بھی معتبر ہے ۔ کیونکہ اس سے جو چیز ثابت ہوتی ہے وہ ثبوت کی فراہمی اور قضاء کا جواز ہے یہ دونوں حق شریعت سے تعلق رکھتے ہیں ۔

امام محمد کے نزدیک اس کے لیے دو عادل گواہ ہونا ضروری ہے ۔ کیونکہ اس کا تعلق حق العباد سے ہے ۔ کیونکہ مدعی اس میں اپنے لیے فیصلہ کا طالب ہوتا ہے ۔ اس کے علاوہ اس قسم میں تمام دیوانی اور فوجداری مقدمات و تنازعات شامل ہیں ۔

تیسری قسم جس میں خبر واحد سے حجت ہے وہ معاملات ہیں جن کا تعلق خالص حقوق العباد سے ہے ، اور ان میں کسی دوسرے پر کوئی حق لازم نہیں کیا جاتا ۔ جیسے وکالت یا ہدیہ یا مضاربت کے بارے میں کوئی خبر بیان کرنا ۔ یا دوکانوں پر جو گوشت فروخت ہوتا ہے اس کے بارے میں یہ خبر دینا کہ یہ مسلمان کا ذبیحہ ہے یا اہلِ کتاب کا ۔ اس میں مخبر کا ممیز ہونا ضروری ہے یعنی عقل و تمیز شرط ہے ۔ خواہ وہ عادل ہو یا فاسق ، بالغ ہو یا نابالغ کافر ہو یا مسلمان ایسے بچہ کا قول جس کو تمیز نہ ہو اور دیوانہ کی خبر معتبر نہ ہوگی ۔ ان کے سوا کوئی بھی ایسا شخص گواہی دے جو عقل و تمیز رکھتا ہو ۔ اور اپنا دل اس کی شہادت کو سچا جانتا ہو ۔ تو اس کو گواہی مقبول ہوگی ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ہدایا کے بارے میں نیک و بد کی خبر قبول فرمائی ہے ۔ آپ نے کافروں کے ساتھ بھی بیع و شراء کے معاملات کئے ہیں ۔ ایسے حقوق کے ثبوت میں اگر اتنی آسانی نہ رکھی جائے اور ہر جگہ دو عادل گواہوں کا لحاظ رکھا جائے تو کاروبار زندگی میں سخت خلل پڑے گا ۔ کیونکہ عادل گواہ بہت کم پائے جاتے ہیں ۔ اس قسم میں دوسرے شخص پر کوئی حق لازم نہیں ہوتا ۔ اگر کوئی باہوش و تمیز لڑکا یا کوئی کافر یا فاسق یہ خبر دے کہ فلاں شخص نے اپنا وکیل فلاں کو کیا ہے یا فلاں غلام کو تجارت کی اجازت دی ہے تو یہ خبر قابل اعتبار ہوگی ۔ اور اس پر عمل کرنا جائز ہوگا

قسم سابق اور اس قسم کے درمیان دو اعتبار سے فرق کہا جا سکتا ہے اوّل یہ کہ اس قسم میں یہ توسع محض ضرورت کی بنا پر رکھا گیا ہے۔ ورنہ معاملات میں خلل و تنگی واقع ہونے کا اندیشہ ہے۔ دوم یہ کہ اس قسم میں خبر دینے سے کسی پر کوئی حق لازم نہیں آتا۔ کسی کی وکالت یا غلام کو تجارت کی اجازت کی خبر سے انہیں تصرف کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔ لیکن خود ان پر اس خبر سے کوئی حق لازم نہیں آتا۔ کسی کی وکالت یا غلام کو تجارت کی اجازت کی خبر سے انہیں تصرف کرنے کی اجازت ہوتی ہے لیکن خود ان پر اس خبر سے کوئی حق لازم نہیں آتا۔

چوتھی قسم میں وہ خالص بندے کے حقوق شامل ہیں جن میں ایک جہت سے بندے پر حق لازم کرنا ہو اور دوسری جہت سے لازم کرنا نہ ہو۔ مثلاً وکیل کو وکالت سے معزول کرنا یا غلام کو تصرفات سے روک دینا۔ اس میں ایک جہت سے تو حق کا لازم کرتا ہے۔ وہ یہ کہ وکیل کو معزول کرنے اور غلام کو تصرفات سے روک دینے سے آئندہ ان کا عمل و تصرف معاملات میں باطل ہو جائے گا اور دوسری حیثیت سے لازم نہ کرنا ہے، وہ یہ کہ موکل اور مالک اپنے حق میں تصرف فسخ کے ساتھ کرتے ہیں۔ جیسا کہ توکیل اور غلام کو تجارت کی اجازت دینے میں اپنے حق میں تصرف کرتے ہیں۔ اس قسم میں خبر دینے والے کے لیے امام ابو حنیفہ کے نزدیک یا تعداد شرط ہے یا عدالت یعنی ان دونوں میں سے ایک چیز شرط ہے۔ یا تو مخبر دو ہونے چاہییں۔ یا مخبر ایک ہونے کی صورت میں اسے عادل ہونا چاہیے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اس قسم میں پہلی دونوں قسموں سے بہت مشابہت موجود ہے۔ اس لیے حکم میں بھی دونوں حیثیتوں کا پایا جانا ضروری ہے۔ امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک مخبر صرف ممیز اور عاقل ہونا چاہیے۔ تعداد اور عدالت شرط نہیں۔ یعنی اگر ایک فاسق شخص بھی یہ خبر دے کہ موکل نے اس کے وکیل کو برطرف کر دیا ہے، یا غلام کو تجارت سے روک دیا ہے۔ یا باکرہ عورت کو خبر دے کہ اس کے ولی نے اس کی شادی فلاں شخص کے ساتھ کر دی ہے۔ اور وہ خاموش ہو جائے، یا شفیع کو یہ خبر دے کر مکان فروخت ہو گیا ہے، اور وہ شفعہ کا مطالبہ نہ کرے، یا کسی مالک کو یہ خبر دے کہ اس کے غلام نے کوئی جرم کیا ہے، پھر بھی وہ آزاد کر دے۔ تو ان سب صورتوں میں صاحبین کے نزدیک یہ خبر معتبر ہے اور اس پر فقہی احکام مرتب ہوں گے۔ اس کے برعکس امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ خبر معتبر نہیں۔ ان کے خیال میں اگر مخبر فاسق ہیں تو دو ہونے چاہییں یا ایک ہے تو وہ عادل ہونا چاہیے۔ یہ شرط اس وقت ہے جب مخبر فضولی ہو۔ یعنی موکل

یا مالک کی طرف سے اس کی اجازت نہ ملی ہو۔ اگر مخبران کی طرف سے وکیل یا قاصد ہو تو بالاتفاق ان کے خبر معتبر ہے ان کا ممیز اور عاقل ہونا شرط ہے ۔ کیونکہ وکیل یا قاصد کا خبر دینا موکل اور قاصد کے بھیجنے والے شخص کی خبر کے مترادف ۔

۲۷ ۔ اگر قرآنِ مجید یا حدیث متواتر سے ثابت شدہ حکم عام ہو تو اس کی تخصیص یا اس پر زیادتی خبر واحد سے جائز ہے یا نہیں، اس مسئلہ میں جمہور اور فقہاء احناف کے درمیان اختلاف ہے احناف کے نزدیک عام سے ثابت شدہ حکم قطعی ہوتا ہے اس لیے اس کی تخصیص بھی قطعی حکم سے ہو سکتی ہے ۔ امام شافعیؒ کے نزدیک جو حکم عام سے ثابت ہے وہ ظنی ہوتا ہے ۔ اس لیے اس کی تخصیص خبر واحد سے جائز ہے ۔ مثلاً قرآن مجید میں حکم ہے کہ ہے فاقرؤا ما تیسر من القرآن (مزمل ـ ۲۰) اب تم قرآن میں سے جو آسانی سے پڑھ لیا کرو اس آیت میں لفظ " ما " عام ہے ۔ یعنی قرآن میں سے جو کچھ آسان ہو وہ نماز میں سے پڑھو ۔ خواہ سورہ فاتحہ ہو یا سورۃ اخلاص یا کوئی اور آیت لیکن حدیث میں ہے کہ " لا صلوٰۃ الا بفاتحہ الکتاب " یعنی بغیر سورۃ فاتحہ کے نماز نہیں ہوتی ۔ اس لیے جمہور کے نزدیک نماز میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے ۔ یعنی رکن ہے ۔ لیکن احناف کے نزدیک رکنیت یعنی فرضیت خبر واحد سے ثابت نہیں ہوتی ۔ نیز حکم قطعی کی تخصیص یا اس پر زیادتی کسی ظنی حکم یعنی خبر واحد یا قیاس سے نہیں ہو سکتی ۔ اس لیے انہوں نے نفسِ قرائت یعنی قرآن مجید سے کچھ حصہ پڑھنے کو فرض قرار دیا ۔ اسی وجہ سے قرأت قرآن احناف کے نزدیک رکن یعنی فرض ہے اس حدیث کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ یہاں نفی کمال مراد ہے ۔ یعنی بغیر سورۃ فاتحہ کے کامل نماز نہیں ہوتی ۔ لہٰذا سورۃ فاتحہ پڑھنے کو وہ واجب کہتے ہیں ۔ واجب کا درجہ فرض سے کمتر ہے اس طرح قرآن و سنت دونوں کے درمیان وہ تطبیق کرتے ہیں ۔ تاکہ دونوں پر عمل ہو جائے ۔ اور اصول بھی نہ ٹوٹے ۔ لیکن جمہور کے نزدیک نماز میں سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی ۔ کیونکہ ان کے نزدیک عام کی تخصیص خبر واحد سے ہو سکتی ہے ۔

اس کی دوسری مثال قرآن مجید کی یہ آیت ہے ۔

ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیه و انه لفسق (انعام ـ ۱۲۱)

اور جس جانور پر ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اس میں سے نہ کھاؤ ۔ بلاشبہ اس کا کھانا کھلی نافرمانی ہے ۔

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جس ذبیحہ پر "بسم اللہ اللہ اکبر" نہ پڑھا جائے حرام ہے

آیت کے عموم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس حرمت میں بھول کر یا قصداً بسم اللہ ترک کرنا شامل ہے لیکن اس میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ احناف کے نزدیک اگر کوئی شخص بھول کر ذبح کرتے وقت بسم اللہ نہ پڑھے تو اس کا کھانا جائز ہے۔ لیکن ان کے نزدیک بھول جانے والا اس حکم میں داخل ہی نہیں۔ بلکہ وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے اللہ کا نام لیا ہو۔ اس کے علاوہ ایک حدیث کی رو سے بھول جانے پر وقت کی کوئی گرفت نہیں۔ جیسے روزہ کی حالت میں کوئی بھول کر کھا پی لے تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا۔ علاوہ ازیں عمداً ارتکاب یا ترک فعل کو نسیان پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ بھولنے والا معذور ہوتا ہے اور عمداً فعل کا ارتکاب یا کرنے والا معذور نہیں ہوتا۔ بھولنے والا عاجز ہوتا ہے اور تخفیف کا مستحق ہوتا ہے، لیکن قصداً کام کرنے والا جرم کا ارتکاب کرتا ہے اور وہ سختی کا مستحق ہوتا ہے۔ اس لیے احناف کے نزدیک اگر کوئی شخص قصداً ذبح کرتے وقت بسم اللہ نہ پڑھے تو اس کا کھانا حرام ہے۔ اور اس کے فعل کو بھولنے والے کے فعل پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ امام شافعیؒ کے نزدیک اگر کوئی مسلمان ذبح کرتے وقت قصداً بسم اللہ ترک کر دے تو اس کا کھانا حلال ہے۔ وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ براء بن عازب اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

المسلم یذبح علی اسم اللہ سمی اولم یسمی۔

یعنی مسلمان تو اللہ کے نام پر ہی ذبح کرتا ہے۔ خواہ بسم اللہ پڑھے یا نہ پڑھے۔ اس حدیث کو امام شافعیؒ نے مراسیل میں روایت کیا ہے۔ دوسری حدیث حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کچھ لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں۔ وہ ہمارے پاس گوشت لاتے ہیں۔ معلوم نہیں وہ ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیتے ہیں یا نہیں۔ اس گوشت کے بارے میں کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تم خود اس پر اللہ کا نام لو اور کھالو ان احادیث سے امام شافعیؒ استدلال کرتے ہیں اور قرآن مجید کے عمومی حکم کی تخصیص خبر واحد سے کرتے ہیں۔ اور قرآن مجید کے عمومی حکم کی تخصیص احناف کے نزدیک خبر واحد سے جائز نہیں۔ اس لیے وہ ان احادیث پر عمل نہیں کرتے۔ اور جو شخص قصداً ذبح کرتے وقت بسم اللہ ترک کر دے ان کے نزدیک اس کا کھانا حرام ہے۔ ان احادیث کا جواب وہ یہ دیتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ والی حدیث نسیان پر محمول کی جائے گی۔ نیز یہ حدیث یا موقوف ہے یا مرسل۔ اس لیے امام شافعیؒ کے نزدیک خود بھی یہ قابلِ استدلال نہیں۔ سوم یہ کہ صحابہؓ کا اس پر اجماع ہے کہ جو شخص ذبح کرتے وقت قصداً

بسم اللہ ترک کر دے اس کا کھانا حرام ہے ۔ چہارم یہ کہ یہ حدیث قرآن کے حکم کے خلاف ہے ۔ اسلیے اس سے استدلال نہیں ہو سکتا ۔ پنجم یہ کہ صحابہؓ اور تابعین کا بھی اس حدیث پر عمل نہیں ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی روایت کا جواب وہ یہ دیتے ہیں کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد نبویؐ اور عہد صحابہ میں ذبح کرتے وقت بسم اللہ پڑھنا علت ذبیحہ کی شرائط میں سے تھا ۔ اور یہ سمجھا جاتا تھا کہ کوئی مسلمان ذبح کے وقت عمداً بسم اللہ پڑھنا ترک نہیں کرتا ۔ اس لیے احتیاطاً شک کی صورت میں آپ نے یہ فرمایا کہ بسم اللہ پڑھ کر اس کو کھایا جا سکتا ہے ۔ عبداللہ بن عمرؓ تو بھول کر بسم اللہ ترک کرنے والے کا ذبیحہ بھی حرام سمجھتے تھے ۔ ان کے نزدیک النسیان اور عمد کے درمیان کوئی فرق نہیں تھا ۔ امام مالک اور اہل ظاہر کا یہی مسلک ہے ۔ حضرت علیؓ اور ابن عباسؓ بھول کر بسم اللہ چھوڑنے والے کے ذبیحہ کو حلال اور قصداً چھوڑنے والے کے ذبیحہ کو حرام سمجھتے تھے ان کے درمیان اختلاف نسیان کی صورت میں تھا ۔ عمد کی صورت میں نہیں ۔ اس لیے ایسی حدیث سے جس سے صحابہؓ نے بھی استدلال نہ کیا ہو قرآن مجید کے عمومی حکم کی تخصیص نہیں ہو سکتی ۔ موزوں پر مسح کرنے اور رجم کی حدیث احناف کے نزدیک مشہور ہے ۔ اس لیے وہ اس پر عمل کرتے ہیں ۔

خبر واحد سے قرآن مجید کے عموم حکم کی تخصیص کی ممانعت فقہاء احناف کا مشہور مسلک ہے، ابوبکر جصاص اور عیسیٰ بن ابان اور اکثر احناف کا یہی قول ہے ۔ بعض شافعیؒ فقہاء کا یہی نقطہ نظر ہے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ کا بھی یہی مسلک ہے ۔ حضرت ابوبکرؓ اس حدیث پر جو کتاب اللہ کے مخالف ہوتی عمل نہیں کرتے تھے ۔ حضرت عمرؓ نے فاطمہ بنت قیس کی حدیث کو یہ کہہ کر مسترد کر دیا تھا کہ ہم محض ایک عورت کی بات سن کر قرآن مجید کا حکم ترک نہیں کر سکتے ، معلوم نہیں وہ سچ کہہ رہی ہے یا جھوٹ ۔ اسی طرح حضرت عائشہؓ نے میت کے رشتہ داروں کے نوحہ کرنے کے سبب میت کو عذاب قبر ہونے کو تسلیم نہیں کیا ۔ جو حدیث سے ثابت ہو ۔ اور اس کو یہ کہہ کر رد کر دیا کہ یہ حدیث قرآن مجید کی اس آیت کے مخالف ہے کہ ایک شخص دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا ۔

فقہاء احناف اور جمہور کے درمیان اس مسئلہ میں سخت اختلاف ہے اور جانبین سے دلائل دیئے گئے ہیں ۔ اس کی مثالیں بھی بے شمار ہیں ۔ یہاں ہم نے صرف دو مثالیں پر اکتفا کیا ہے تاکہ احناف کا نقطۂ نظر واضح کر سکیں ۔

۲۸ ۔ حدیث مشہور اور حدیث مرسل کے بارے میں ہم علیحدہ مقالہ میں تفصیل سے بحث کریں گے ۔